# جاوید احمد غامدی

## سیاق وسباق کے آئینہ میں (پانچویں قسط)

مولانا فضل محمد یوسف زئی

### جاوید احمد غامدی کا منشور

میرے پاس غامدی صاحب کا یہ منشور تقریباً دس بارہ سال سے پڑا ہے، میں نے اس کو محفوظ صندوقچہ میں رکھا تھا، ذہن میں یہی بات تھی کہ میں کسی وقت اس کو مسلمانوں کے سامنے لاؤں گا، اب تک اس مقالہ میں جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ اس منشور کی دفعات کو ظاہر کرنے کے لیے بطور تمہید تھا، اب منشور اور اس کی چند دفعات قارئین کے سامنے پیش کر رہا ہوں، قابل گرفت ہر دفعہ پر تبصرہ ہوگا۔

غامدی صاحب کا یہ منشور ۱۹ صفحات پر مشتمل ہے، ابتدائی صفحہ پر جلی حروف میں ''منشور'' لکھا ہے، نیچے لکھا ہے: ''جاوید احمد غامدی'' صفحہ کے دائیں طرف لکھا ہے ''اعلانِ جنگ دورِ حاضر کے خلاف'' منشور کے آخری صفحہ پر لکھا ہے: ''(۹۸(۲) ای ماڈل ٹاؤن لاہور)'' طباعت کی تاریخ نہیں ہے۔

یاد رکھنے کی بات ہے کہ منشور کسی بھی آدمی یا تنظیم کے دل کی آواز ہوتی ہے، منشور ہی پوری تحریک کا خلاصہ اور نچوڑ ہوتا ہے، منشور ہی آدمی کے دماغ اور ذہنی رجحانات کا عکاس ہوتا ہے، لہٰذا جاوید غامدی صاحب کا منشور بھی ان کے عقائد اور ان کے احساسات کا ترجمان ہے، تو لیجئے! اس کو پڑھ لیجئے! اور دیکھ لیجئے کہ غامدی صاحب منشور تیار کرتے وقت بہت پہلے جب پردوں کے پیچھے ایسے تھے تو اب وہ کیسے ہوں گے!

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

اس منشور کے پانچ بڑے عنوانات ہیں، جن کے نیچے کئی کئی دفعات ہیں، بڑے عنوانات یہ ہیں:

۱:.....سیاسی سطح پر، ۲:.....معاشی سطح پر، ۳:.....معاشرتی سطح پر، ۴:.....تعلیم وتعلم، ۵:.....حدود وتعزیرات۔

ان عنوانات کی ابتدا میں غامدی صاحب نے بڑے طمطراق کے ساتھ زورِ قلم دے کر ایک اعلان کیا ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں:

''ہمارا یہ منشور در حقیقت ایک اعلانِ جنگ ہے دورِ حاضر کے خلاف، اس کے ذریعے سے ہم چاہتے ہیں کہ حق اپنی ضربِ کلیمی کے ساتھ نمودار ہو اور ائمہ مغرب نے سیاست، معیشت، معاشرت، اصول وعقائد اور علم وتحقیق میں حکمتِ فرعونی کے جو پیکر اس زمانے میں تخلیق کیے ہیں وہ سب بالکل پاش پاش کردیئے جائیں، اپنے اس مقصد کی تفصیل ہم اس طرح کرتے ہیں: ا:...... ''سیاسی سطح پر۔'' (منشور ص:۶)

اس عنوان کے تحت اصلاحی دفعات ہیں، قابل گرفت کوئی چیز نہیں ہے، البتہ اس عنوان کی دفعہ:۳ میں غامدی صاحب نے لکھا ہے کہ معروف کی ترویج اور منکر کا استیصال۔ (منشور ص:۶)

**تبصرہ:** .........غامدی صاحب سے پوچھا جاسکتا ہے کہ آپ نے معروف کی ترویج کے لیے کیا اقدامات کیے ہیں اور منکر کا کہاں، کب اور کیسے استیصال کیا ہے؟ معروف کے میدان میں اسلامی وضع قطع، نمازیں، روزہ، حج اور زکوۃ ہیں، تہجد اور تلاوتِ قرآن ہے، بناءِ مساجد ومدارس اور جہاد ہے۔ ان میدانوں میں تو آپ کا کوئی عمل نظر نہیں آتا، نہ معلوم معروف کی ترویج کہاں ہورہی ہے؟ یا صرف قلمکاری اور مضمون نگاری کی بازیگری دکھانے کی حد تک یہ لکھ دیا گیا ہے۔

باقی منکر کے استیصال میں بھی آنجناب کی خدمات ڈھونڈنے سے بھی کہیں نہیں ملتیں۔ ڈاڑھی کی سنت کو آپ مانتے نہیں، بلکہ اس کے سنت ہونے کا بھی سرے سے انکار کرتے ہیں، جو ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے، اسی طرح ڈیڑھ لاکھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت ہے، جو واجب کے درجہ میں ہے، اگرچہ اس کا ثبوت سنت سے ہے۔ ٹی وی میں فیشن ایبل عورتوں کی جھرمٹ میں آپ کے لیکچر ہوتے ہیں، کیا منکر کا استیصال اس طرح ہوتا ہے؟ یا آپ نے منشور میں یہ باتیں لکھ کر محض لوگوں کو دھوکا دیا ہے؟ اور اس کے نفاذ اور عمل کی ذمہ داری دوسروں پر ڈال دی؟ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے شاید اسی پس منظر کے حق میں کہا تھا:

درکوئے نیک نامی مارا گزر نہ دادی
گر تو نمی پسندی تغییر کن قضاء را

''نیکی کے راستوں میں مجھے گزرنے کی توفیق نہیں دی، اگر تجھے یہ پسند نہیں ہے تو تقدیر کو بدل ڈالو۔''

اس عنوان کے تحت دفعہ:۵ میں مساجد کے انتظامات کے حوالہ سے غامدی صاحب نے لکھا ہے کہ:

''ہر صاحبِ علم کو حق حاصل ہو کہ وہ جس مسجد میں چاہے اپنے نقطۂ نظر کے مطابق تعلیم وتدریس اور اصلاح وارشاد کی مجالس منعقد کرے۔'' (منشور ص:۶)

تبصرہ: یہ بات تو بہت اچھی ہے، لیکن کیا یہ صرف لکھنے کی حد تک ہے یا زمینی حقائق میں اس کا امکان بھی ہے؟ اس کے لیے موجودہ دور میں یا تو طالبان کی حکومت کا قیام ضروری ہے کہ سب

انسان ایک اتحاد اور ایک نقطۂ اعتقاد پر جمع ہو جائیں اور یا اس کے لیے ضروری ہے کہ سب لوگ سیکولرازم اور وحدتِ ادیان پر جمع ہو جائیں۔ غامدی صاحب طالبان حکومت کے لیے تو قطعاً تیار نہیں ہیں تو شاید ان کے ذہن میں وحدتِ ادیان کا ملحدانہ تصور ہوگا، ورنہ موجودہ صورت حال میں اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے سے وہ انتشار طوفان اُٹھے گا جو خانہ جنگی کا پیش خیمہ بنے گا۔ خود غامدی صاحب ملائشیا میں ہوں گے اور یہاں پاکستان کے لوگ دست و گریباں ہوں گے۔

''۲:.....معاشی سطح پر'' اس عنوان کے تحت غامدی صاحب نے اچھی تجاویز پیش کی ہیں، لیکن اس کے دفعہ: ۵ کے ضمن میں اس نے زکوٰۃ کو گھسیٹ کر لایا ہے، لکھتا ہے کہ زکوٰۃ کے بارے میں یہ چھ باتیں البتہ ہر حال میں ملحوظ رہیں: ا:- ایک یہ کہ زکوٰۃ کے مصارف پر تملیک ذاتی کی جو شرط ہمارے فقہاء نے عائد کی ہے، اس کے لیے کوئی مأخذ قرآن وسنت میں موجود نہیں ہے، چنانچہ زکوٰۃ جس طرح فرد کے ہاتھ میں دی جاسکتی ہے، اسی طرح اس کی بہبود کے کاموں میں بھی خرچ کی جاسکتی ہے۔'' (منشور ص:۱۰)

**تبصرہ:**.....سوال یہ ہے کہ غامدی صاحب کے پاس کونسی اتھارٹی ہے جو امت کے سارے فقہاء کے اجماعی فیصلے کو چیلنج کرتا ہے؟ جن فقہاء نے صحابہؓ کا دور دیکھا اور وہ تابعین بنے یا تابعین کا دور دیکھا اور تبع تابعین بنے، پھر اجتہاد و استنباط کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوئے، علم و عمل کے پہاڑ بن کر امت کے لیے مذہبی پیشوا اور مقتدا بنے، ان کا فتویٰ اور قول و استدلال امت کے لیے خود ایک دلیل اور مأخذ ہے۔ غامدی صاحب کی کیا حیثیت ہے کہ امت کے ان مقدس طبقات کو پھلانگ کر اپنی خود ساختہ رائے کی طرف چھلانگ لگا دے؟ امت کے فقہاء نے کہا ہے کہ قرآن کی آیت: ''إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ'' میں لام تملیک کے لیے ہے۔ غامدی صاحب کہتے ہیں کہ سارے فقہاء غلط کہتے ہیں، کیونکہ قرآن میں کوئی مأخذ موجود نہیں ہے، امت کے فقہاء اور مفسرین فرماتے ہیں کہ: ''وأتوا الزكوة'' میں ایتاء اعطاء کے معنی میں ہے اور اعطاء میں تملیک کا مفہوم شامل ہے۔ غامدی صاحب کہتے ہیں کہ فقہاء غلط کہتے ہیں اور قرآن میں اس کے مأخذ کی گنجائش نہیں ہے۔

شارحین حدیث کہتے ہیں کہ حدیث میں ہے کہ زکوٰۃ کا قاعدہ اس طرح ہے کہ ''تؤخذ من أغنيائهم وترد إلى فقرائهم۔'' (بخاری) یعنی ''زکوٰۃ مسلمانوں کے مالدار لوگوں سے لی جائے گی اور مسلمانوں کے غریبوں کو لوٹا دی جائے گی۔'' اس دینے میں تملیک کا مفہوم ملحوظ ہے، لہٰذا زکوٰۃ میں تملیک ضروری ہے۔ غامدی صاحب کہتا ہے کہ حدیث وسنت میں کوئی مأخذ موجود نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں پوری امت اور جمہور فقہاء کے اجماعی موقف کو اس ڈھٹائی کے ساتھ ٹھکرانے کا حق غامدی صاحب کو کس نے دیا ہے؟ اگر وہ اجتہاد کا دعویٰ رکھتا ہے تو ان کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ مجتہد نہیں ہے۔ نیز اجتہاد شریعت کے کسی حکم کو قرآن وحدیث کی روشنی میں تلاش کرنے کے لیے ہوتا ہے، شریعت میں

فساد اور بگاڑ پیدا کرنے کے لیے اجتہاد نہیں ہوتا۔ مزید یہ کہ زکوٰۃ کی تملیک کے متفقہ فیصلہ کو رد کرنے کے لیے غامدی صاحب کے پاس قرآن وحدیث میں کونسی دلیل اور کونسا ماٰخذ ہے؟ صرف لفاظی اور عیاری ومکاری کے ساتھ تمام فقہاء کے مستدلات کو مشکوک بنانا یہ کوئی صالح فکر ہے یا فاسد ارادہ ہے؟

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ توبہ کی آیت: ۶۰ ''إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ'' کی تفسیر کے تحت تملیک زکوٰۃ پر بھرپور عمدہ کلام کیا ہے، قارئین کے افادہ کے لیے اسے یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

## مسئلہ تملیک زکوٰۃ

جمہور فقہاء اس پر متفق ہیں کہ زکوٰۃ کے معینہ آٹھ مصارف میں بھی زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے یہ شرط ہے کہ ان مصارف میں سے کسی مستحق کو مال زکوٰۃ پر مالکانہ قبضہ دے دیا جائے، بغیر مالکانہ قبضہ دیئے اگر کوئی مال انہی لوگوں کے فائدے کے لیے خرچ کر دیا گیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ اسی وجہ سے ائمہ اربعہؒ اور جمہور فقہاء امت اس پر متفق ہیں کہ رقم زکوٰۃ کو مساجد یا مدارس یا شفاخانے، یتیم خانے کی تعمیر میں یا ان کی دوسری ضروریات میں صرف کرنا جائز نہیں، اگرچہ ان تمام چیزوں سے فائدہ ان فقراء اور دوسرے حضرات کو پہنچتا ہے جو مصرف زکوٰۃ ہیں، مگر ان کا مالکانہ قبضہ ان چیزوں پر نہ ہونے کے سبب زکوٰۃ اس سے ادا نہیں ہوگی۔

البتہ یتیم خانوں میں اگر یتیموں کا کھانا کپڑا وغیرہ مالکانہ حیثیت سے دیا جاتا ہے تو صرف اس خرچ کی حد تک رقمِ زکوٰۃ صرف ہوسکتی ہے، اسی طرح شفاخانوں میں جو دوا حاجت مند غرباء کو مالکانہ حیثیت سے دے دی جائے۔ اس کی قیمت رقم زکوٰۃ میں محسوب ہوسکتی ہے۔ اسی طرح فقہاء امت کی تصریحات ہیں کہ لاوارث میت کا کفن رقم زکوٰۃ سے نہیں لگایا جاسکتا، کیونکہ میت میں مالک ہونے کی صلاحیت نہیں، ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ رقم زکوٰۃ کسی غریب مستحق کو دے دی جائے اور وہ اپنی خوشی سے اس رقم کو لاوارث میت کے کفن پر خرچ کر دے۔ اسی طرح اگر اس میت کے ذمہ قرض ہے تو اس قرض کو رقم زکوٰۃ سے براہ راست ادا نہیں کیا جاسکتا، ہاں! اس کے وارث غریب مستحق زکوٰۃ ہوں تو ان کو مالکانہ طور سے دیا جاسکتا ہے، وہ اس رقم کے مالک ہوکر اپنی رضامندی کے ساتھ اس رقم سے میت کا قرض ادا کر سکتے ہیں۔ اسی طرح رفاہِ عام کے سب کام جیسے کنواں یا پل یا سڑک وغیرہ کی تعمیر، اگرچہ ان کا فائدہ مستحقین زکوٰۃ کو بھی پہنچتا ہے، مگر ان کا مالکانہ قبضہ نہ ہونے کے سبب اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوتی۔

ان مسائل میں چاروں ائمہ مجتہدین ابوحنیفہ، شافعی، مالک، احمد بن حنبل رحمہم اللہ اور جمہور فقہاء امت متفق ہیں۔ شمس الائمہ سرخسیؒ نے اس مسئلہ کو امام محمدؒ کی کتابوں کی شرح مبسوط اور شرح سیر میں پوری تحقیق اور تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، اور فقہاء شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ، کی عام کتابوں میں اس کی تصریحات موجود ہیں۔

فقیہ شافعی امام ابوعبیدؒ نے ''کتاب الاموال'' میں فرمایا کہ میت کی طرف سے اس کے قرض کی ادائیگی یا اس کے دفن کے اخراجات میں اور مساجد کی تعمیر میں، نہر کھودنے وغیرہ میں مال زکوٰۃ خرچ کرنا جائز

نہیں، کیونکہ سفیان ثوریؒ اور تمام ائمہ اس پر متفق ہیں کہ اس میں خرچ کرنے سے زکوۃ ادا نہیں ہوتی، کیونکہ یہ ان آٹھ مصارف میں سے نہیں، جن کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے۔ (معارف القرآن، جلد چہارم، ص:۴۰۹)

اسی طرح فقیہ حنبلی شیخ موفق رحمۃ اللہ علیہ نے مغنی میں لکھا ہے کہ بجز ان مصارف کے جن کا بیان قرآن کریم میں مذکور ہے اور کسی نیک کام میں مال زکوۃ خرچ کرنا جائز نہیں، جیسے مساجد یا پلوں اور پانی کے سبیلوں کی تعمیر، یا سڑکوں کی درستی یا مُردوں کو کفن دینا یا مہمانوں کو کھانا کھلانا وغیرہ جو بلاشبہ موجب ثواب ہیں، مگر مصارف صدقات میں داخل نہیں۔

ملک العلماء نے بدائع میں ادائیگی زکوۃ کے لیے شرط تملیک کی یہ دلیل دی ہے کہ قرآن میں عموماً زکوۃ اور صدقاتِ واجبہ کا لفظ ایتاء کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، جیسے: ''أقاموا الصلوة، وأتوا الزكوة، أقيموا الصلوة وأتوا الزكوة، إقام الصلوٰة وإيتاء الزكوٰة، أتوا حقَّهٗ يومَ حصاده۔'' وغیرہ اور لفظ ''إيتاء'' لغت میں عطاء کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے مفردات القرآن میں فرمایا: ''والإيتاء ''الإعطاء'' وخص وضع الصدقة في القرآن بالإيتاء'' یعنی ''إيتاء'' کے معنی عطاء کرنے کے ہیں اور قرآن میں صدقہ واجبہ ادا کرنے کو ''إيتاء'' کے لفظ کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے'' اور ظاہر ہے کہ کسی کو کوئی چیز عطاء کرنے کا مفہوم حقیقی یہی ہے کہ اس کو اس چیز کا مالک بنا دیا جائے۔ (معارف القرآن، ج:۴، ص:۴۱۰)

اور علاوہ زکوۃ وصدقات کے بھی ''إيتاء'' قرآن کریم میں مالک بنا دینے ہی کے لیے استعمال ہوا ہے، مثلاً: ''أتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ'' یعنی ''دے دو عورتوں کو ان کے مہر۔'' ظاہر ہے مہر کی ادائیگی جب ہی تسلیم ہوتی ہے جب مہر کی رقم پر عورت کو مالکانہ قبضہ دے دے۔

دوسرے یہ کہ قرآن کریم میں زکوۃ کو صدقہ کے لفظ سے تعبیر فرمایا ''إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ'' اور صدقہ کے معنی حقیقی یہی ہیں کہ کسی فقیر حاجت مند کو اس کا مالک بنا دیا جائے، کسی کو کھانا کھلا دینا یا رفاہِ عام کے کاموں میں خرچ کر دینا حقیقی معنی کے اعتبار سے صدقہ نہیں کہلاتا۔ شیخ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے ''فتح القدير'' میں فرمایا کہ: حقیقت صدقہ کی بھی یہی ہے کہ کسی فقیر کو اس مال کا مالک بنا دیا جائے، اسی طرح جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے ''أحكام القرآن'' میں فرمایا کہ: لفظ صدقہ تملیک کا نام ہے۔ (اصول جصاص، ج:۲، ص:۱۵۲)

تملیک سے متعلق علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب ''بدائع الصنائع'' میں لکھا ہے:

''وقد أمر الله تعالى الملاك بإيتاء الزكوٰة بقوله وأتوا الزكوة والإيتاء هو التمليك ولذا سمى الله تعالى الزكوة صدقةً بقوله عزوجل: ''إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ'' والتصدق التمليك۔'' (بدائع الصنائع، ج:۲، ص:۳۹)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم ''وأتوا الزكوة'' کے ذریعہ سے مالکین نصاب کو زکوۃ کا حکم دیا ہے اور ایتاء (بمعنی اعطاء) تملیک ہی ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے زکوۃ کا نام صدقہ رکھا ہے۔ ارشاد ہے: ''إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ'' اور تصدیق وہی تملیک ہے۔''

ایک اور مقام پر علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں:

''وأما رکنہ فھو التملیک لقولہ تعالیٰ ''وآتوا حقہ یوم حصادہ ''والإیتاء ھو التملیک۔'' (بدائع الصنائع، ج:۲،ص:۶۴)

''رہا زکوٰۃ کا اہم رکن تو وہ تملیک ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وآتوا حقہ یوم حصادہ'' اور اس کی کٹائی کے وقت اس کا حق دو۔ یہاں ایتاء سے مقصود تملیک ہی ہے۔''

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے تملیک کے اثبات کے لیے مندرجہ ذیل آیات کو بھی ذکر فرمایا ہے۔

''وأما النص فقولہ تعالیٰ: ''إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ''، وقولہ عزوجل: ''وَفِيْ أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ '' والإضافة بحرف اللام تقتضی الاختصاص بجهة الملک إذا کان المضاف إليه من أهل الملک۔'' (بدائع الصنائع، ج:۲،ص:۴)

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ کی بات روزمرہ کے محاوروں اور گفتگو کے مطابق بھی ہے، مثلاً: ایک آدمی نے دوسرے سے کہا: میں نے یہ ہزار روپے تم کو دے دیئے تو اس میں مالک بنانے کی تصریح کی ضرورت ہی نہیں۔ جب کہہ دیا کہ دے دیئے تو یہی تملیک ہے۔ لہٰذا غامدی صاحب یا امین احسن اصلاحی صاحب کی بات غلط ہے کہ تملیک نص سے ثابت نہیں ہے۔ خود نص جب تملیک کے معنی میں ہے تو مزید تصریح کلام کو حشو کی طرف لے جائے گی، مثلاً یوں کہے کہ میں اس سو روپے کو تجھے بطور تملیک دیتا ہوں، اس طرح کوئی نہیں کہتا۔ غامدی صاحب کی عبارت کے آخری جملے یہ ہیں:

''چنانچہ زکوٰۃ جس طرح فرد کے ہاتھ میں دی جاسکتی ہے، اسی طرح اس کی بہبود میں بھی خرچ کی جاسکتی ہے۔''

ان جملوں سے غامدی صاحب نے مجتہدانہ رنگ ظاہر کر کے زکوٰۃ کے حساس اور محفوظ و مخصوص مال کو غیر محفوظ بنا کر معاشرہ کے ہر فرد اور ہر کس و ناکس کے ہاتھ میں دے دیا، چنانچہ غامدی صاحب نے اس جملہ سے مالِ زکوٰۃ فقراء اور مساکین کے ہاتھوں سے کھینچ کر حکومتی اداروں اور افسروں کے ہاتھ میں دے دیا۔ اور ان کی ذہنی سوچ کے مطابق فرد کی بہبود میں تو سینما، شراب خانے، جوا خانے، پہلوانوں کے اکھاڑ خانے، بھینسوں کے باڑے، بازاروں میں ٹی وی مراکز، ٹی وی اور ریڈیو اسٹیشن، قصاب خانے اور مختلف صنعتوں کے کارخانے، سکول و کالج اور یونیورسٹیوں کی عمارات اور شہر میں بڑی بڑی چورنگیاں اور بڑے بڑے پارک اور ورزش کے بڑے بڑے گراؤنڈ یہ سب فرد کی بہبود کی اشیاء ہیں۔ اب غامدی صاحب بتائیں کہ اسلامی معاشرہ میں غریب طبقہ کے لیے مخصوص شدہ مالِ زکوٰۃ کہاں گیا؟ چنانچہ آج کل غامدی صاحب کے اجتہاد کے مطابق زکوٰۃ کے ساتھ حکومت پاکستان یہی کھیل کھیل رہی ہے۔

غامدی صاحب زکوٰۃ کے مصارف کو عام کر کے اور ان مصارف میں نیا اجتہاد کر کے اسے ایک کھیل بنانے کے لیے لکھتے ہیں:

''تیسری بات یہ کہ زکوٰۃ کے جو مصارف قرآن مجید میں بیان کیے گئے ہیں ان کی رو سے یہ صرف غرباء ومساکین ہی پر صرف نہیں کی جائے گی، بلکہ اس کے ساتھ ''العاملین علیھا'' کے تحت اوپر سے لے کر نیچے تک ریاست کے ملازمین کے مشاہرے اور ''المؤلفة قلوبھم'' کے تحت اسلام اور مسلمانوں کے مفاد میں تمام سیاسی اخراجات اور ''ابن السبیل'' کے تحت سڑکوں اور پلوں وغیرہ کی تعمیر کی ذمہ داریاں بھی اس کے مصارف میں شامل ہیں۔ (منشور: ص:۱۰)

**تبصرہ:**.....جس طرح غامدی صاحب نے اپنے منشور کی دفعہ:۵ کی ابتداء میں زکوٰۃ کو فرد کے ہاتھ سے نکال کر اس کی بہبود کی طرف عام کیا اور زکوٰۃ کو فری فنڈ کی حیثیت سے پیش کیا، یہاں مصارف کے بیان میں ''العاملین علیھا'' کو اتنا عام رکھا ہے کہ زکوٰۃ کی شرعی حیثیت ہی گم ہوگئی، حالانکہ قرآن کی آیت کے مذکورہ جملے کا مطلب تو یہ ہے کہ ان اموال زکوٰۃ کے اکٹھا کرنے پر جو کارکن مقرر ہیں، ان کارکنان کو بطور حق الخدمت زکوٰۃ کی رقم سے ان کی مقررہ تنخواہ دی جاسکتی ہے، وہ بھی اعتدال کے ساتھ۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ حکومت کے جس شعبے میں کام کرنے والے جو ملازم ہیں اوپر سے نیچے تک سب کو زکوٰۃ کی رقم سے تنخواہ دی جاسکتی ہے۔ غامدی صاحب کے اجتہاد کی رو سے حکومت کے بڑے بڑے وزراء، گورنر اور ان کے ماتحت صوبے کے سارے کارندے اور ملازمین کی تنخواہیں زکوٰۃ کی رقم سے دی جاسکتی ہیں، مثلاً: ریاست کے ملازم، ڈی آئی جی اور فوجی چیف آف اسٹاف اور خود نظریاتی کونسل کے سابق ممبر جاوید احمد غامدی صاحب اور نچلے طبقے تک ملک کے سارے ملازم وچپراسی خواہ وہ مسلمان ہوں یا کچھ اور ہوں، سب کے سب اموالِ زکوٰۃ کو شیر مادر سمجھ کر کھا سکتے ہیں، ''فیا للعجب علی ھذا المتجدد''۔

حضرات مفسرین نے ''العاملین علیھا'' کی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے معارف القرآن میں بطور خلاصہ اس کو اس طرح نقل فرمایا ہے:

''تیسرا مصرف ''العاملین علیھا'' یہاں عاملین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اسلامی حکومت کی طرف سے صدقات زکوٰۃ وعشر وغیرہ لوگوں سے وصول کر کے بیت المال میں جمع کرنے کی خدمت پر مامور ہوتے ہیں۔ یہ لوگ چونکہ اپنے تمام اوقات اس خدمت میں خرچ کرتے ہیں اس لیے ان کی ضروریات کی ذمہ داری اسلامی حکومت پر عائد ہے۔ قرآن کریم کی اس آیت نے مصارف زکوٰۃ میں ان کا حصہ رکھ کر یہ متعین کر دیا کہ ان کا حق الخدمت اسی مد زکوٰۃ سے دیا جائے گا۔'' (معارف القرآن، ج:۴، ص:۳۹۷)

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں کہ:

''البتہ یہ ضروری ہوگا کہ عاملین کی تنخواہیں نصف زکوٰۃ سے بڑھنے نہ پائیں، اگر زکوٰۃ کی وصول یابی اتنی کم ہو کہ عاملین کی تنخواہیں دے کر نصف بھی باقی نہیں رہتی تو پھر تنخواہوں میں کمی کی جائے گی، نصف سے زائد صرف نہیں کیا جائے گا۔'' (معارف القرآن، ج:۴، ص:۳۹۸)

اب ناظرین دیکھ لیں کہ مفسرین کیا لکھ رہے ہیں اور جناب غامدی صاحب اپنے اجتہاد کے ساتھ کہاں بھٹک رہے ہیں۔ عاملین کے لفظ میں قصدی غلطی کر کے غامدی صاحب نے عام نوکر مراد لیے۔ غامدی صاحب نے اپنے منشور: ۱۰ پر ''المؤلفة القلوب'' کی تشریح میں لکھا ہے کہ: ''اس کے تحت اسلام اور مسلمانوں کے مفاد میں تمام سیاسی اخراجات شامل ہیں۔'' (ص: ۱۰)

**تبصرہ:**..... ''مؤلفة القلوب'' تالیف قلب سے ہے، آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں بعض نو مسلموں کے ایمان بچانے کے لیے یا بعض سخت معاندین کے شر سے بچنے کے لیے یا بعض غیر مسلموں کو ایمان کی طرف راغب کرنے کے لیے زکوۃ کی مد سے کچھ دیا جاتا تھا، لیکن اسلام کو جب اللہ تعالیٰ نے شوکت عطا فرمائی تو ''مؤلفة القلوب'' کا یہ مصرف حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں موقوف ہوگیا، گویا یہ حکم ایک علت کے تحت تھا، جب علت نہ رہی تو حکم بھی نہ رہا، البتہ بعض علماء نے اس مصرف کو منسوخ نہیں کہا ہے اور لکھا ہے کہ اگر آئندہ کمزور احوال پیدا ہو جائیں تو یہ مصرف باقی رہے گا۔

تاہم تفسیر مظہری اور تفسیر قرطبی نے واضح تصریح کی ہے کہ ''مؤلفة القلوب'' کو جو کچھ دیا گیا تھا، وہ قطعاً اموالِ زکوۃ سے نہیں تھا، بلکہ اموالِ غنائم یا خمس وغیرہ سے دیا گیا تھا، اور جن کو دیا گیا تھا وہ لوگ مسلمان تھے، چنانچہ تفسیر قرطبی میں امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''وبالجملة فكلهم مؤمنون ولم يكن فيهم كافر''۔ یعنی خلاصہ یہ ہے کہ ''مؤلفة القلوب'' سب کے سب مسلمان ہی تھے، ان میں کوئی کافر شامل نہیں تھا۔ اسی طرح تفسیر مظہری میں بھی ہے کہ ''لم يثبت أن النبي ﷺ أعطى أحدًا من الكفار للإيلاف شيئًا''، یعنی یہ بات کسی روایت سے ثابت نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی کافر کو مال زکوۃ میں سے تالیف قلب کے لیے کوئی حصہ دیا ہو۔'' (معارف القرآن، ج: ۴، ص: ۴۰۱)

اب ایک طرف مفسرین ''مؤلفة القلوب'' کی تفسیر یہ لکھتے ہیں جو اوپر گزری اور دوسری طرف غامدی صاحب بڑے شدومد کے ساتھ لکھتے ہیں کہ تمام ''سیاسی اخراجات'' ''مؤلفة القلوب'' کے پیش نظر اموالِ زکوۃ سے ادا کئے جائیں گے۔ اب سیاسی اخراجات کو لوگ یہی سمجھیں گے جو آج کل سیاسی فضاء اور سیاسی گروہ بندیاں ہیں، پس جن کی حکومت ہوگی وہ اموالِ زکوۃ سے دوسری پارٹی کے اسمبلی منبروں کو خرید کر اپنی پارٹی میں شامل کریں گے۔ اسی طرح انتخابی سرگرمیاں اموالِ زکوۃ سے پوری کی جائیں گی۔ اب سوال یہ ہے کہ غامدی صاحب آخر کس قرآن وحدیث یا فقہی فتاویٰ کی بنیاد پر یہ نئی بات چلا رہے ہیں، جس کے تحت ذاتی اغراض ومفادات پوشیدہ ہیں؟ اگر یہ غامدی صاحب کے اجتہاد کا حصہ ہے تو میں نے بار بار کہا ہے اور اب بھی کہتا ہوں کہ بھائی غامدی صاحب آپ مجتہد نہیں ہیں اور نہ آپ میں اجتہاد کی صلاحیت وقابلیت ہے۔ بہرحال غامدی صاحب زکوۃ کو فری فنڈ بنا کر حکومتی اداروں کے لیے تر لقمہ بنانا چاہتا ہے اور اسی طرح آج کل ہو رہا ہے۔

غامدی صاحب نے اپنے منشور کے اسی صفحہ دس میں ''ابن السبیل'' کے مصرف کے بارے میں لکھا ہے:

''اور ''ابن السبیل'' کے تحت سڑکوں اور پلوں وغیرہ کی تعمیر کی ذمہ داریاں بھی اس کے مصارف میں شامل ہیں۔ (منشور، ص:۱۰)

**تبصرہ:**..... یہ بھی غامدی صاحب کی اسی بنیادی غلطی کا نتیجہ ہے، جس میں موصوف نے زکوٰۃ کے مصارف پر تملیک ذاتی کی شرط کو غلط قرار دیا اور تمام فقہاء پر قرآن وحدیث سے ناواقفیت کا الزام عائد کیا اور پھر اپنے غلط مقاصد میں زکوٰۃ کو اتنا عام کیا کہ ہر کس وناکس اس کا مقدار بنا۔ شریعت نے مسافروں کا خیال رکھا تھا، غامدی صاحب رفاہِ عامہ کی فکر میں ہیں۔ مفسرین نے اس مصرف کو مسافرین تک محدود رکھا ہے، البتہ سفر کے اقسام مختلف ہو سکتے ہیں۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے اس مصرف سے متعلق ''معارف القرآن'' میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے، وہ اس طرح ہے:

''آٹھواں مصرف ''ابن السبیل'' ہے، ''سبیل'' کے معنی راستہ، اور ''ابن'' کا لفظ اصل میں تو بیٹے کے لیے بولا جاتا ہے، لیکن عربی محاورات میں ابن اور اب اور اخ وغیرہ کے الفاظ ان چیزوں کے لیے بھی بولے جاتے ہیں جن کا گہرا تعلق کسی سے ہو، اسی محاورہ کے مطابق ''ابن السبیل'' راہ گیر ومسافر کو کہا جاتا ہے، کیونکہ ان کا گہرا تعلق راستہ قطع کرنے اور منزل مقصود پر پہنچنے سے ہے، اور مصارف زکوٰۃ میں اس سے مراد وہ مسافر ہے جس کے پاس سفر میں بقدرِ ضرورت مال نہ ہو، اگرچہ اس کے وطن میں اس کے پاس کتنا ہی مال ہو، ایسے مسافر کو مال زکوٰۃ دیا جا سکتا ہے، جس سے وہ اپنے سفر کی ضروریات پوری کر لے اور وطن واپس جا سکے۔'' (معارف القرآن، ج:۴، ص:۱۰۹)

''ابن السبیل'' کا مصرف حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے مفسرین کی تفاسیر کی روشنی میں واضح فرما دیا۔ یہاں نہ پلوں کا ذکر ہے اور نہ سڑکوں کا ذکر ہے اور نہ غامدی صاحب کے اشارات کا ذکر ہے۔ زکوٰۃ سے متعلق ابتداء سے غامدی صاحب کے منشور پر جو کچھ میں نے لکھا ہے، میں غامدی صاحب سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ زکوٰۃ کے دسیوں شعبے ہیں اور اس کے دینے نہ دینے اور فضائل ومسائل کے اہم مباحث ہیں، ان میں سے کسی سے آپ نے تعرض نہیں کیا، اگر آپ کو خیال آیا تو صرف زکوٰۃ کی تملیک کا خیال آیا، آخر اس سے آپ کی غرض کیا ہے؟ شاید جناب کو فریضۂ زکوٰۃ کی تشریحات اور تفصیلات میں فقہاء کرام پر اعتراض کرنا مقصود تھا اور زکوٰۃ کو حکومتی اداروں کے لیے تر لقمہ بنانے کا خیال تھا اور اپنے مرشد عام امین احسن اصلاحی کے نظریۂ تملیک زکوٰۃ کی تائید وتوثیق کرنا مطلوب تھا۔ امین احسن اصلاحی نے مسئلہ تملیک زکوٰۃ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ (جاری ہے)